اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود اور مولانا مودودیؒ

نور الٰہی ایڈووکیٹ - گجرات

اِن دنوں جماعتی یا غیر جماعتی انتخابات کی بحث چل رہی ہے۔ اہلِ حل وعقد اور اصحابِ فکر ونظر اپنے اپنے نظریات کے حق میں دلائل مہیا کر رہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اسلامی نقطۂ نظر سے مختلف سیاسی مسائل پر وقتاً فوقتاً روشنی ڈالی ہے۔ اِس ضمن میں سیاسی اور دینی جماعتوں کے بارے میں مولانا مرحوم کے نظریات درج ذیل ہیں:-

۲ شعبان ۱۳۶۰ھ کو جماعتِ اسلامی کی تاسیس کے موقع پر اپنی تمہیدی تقریر میں مولانا نے فرمایا:

"خوب سمجھ لیجیے کہ ہماری حیثیت بعینہٖ اس جماعت کی سی نہیں ہے جو ابتداءً نبیؐ کی قیادت میں بنتی ہے بلکہ ہماری حیثیت اس جماعت کی ہے جو اصل نظامِ جماعت کے درہم برہم ہو جانے کے بعد اس کو تازہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نبیؐ کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے وہ تمام دنیا میں ایک ہی اسلامی جماعت ہوتی اور اس کے دائرے سے باہر صرف کفر ہی ہوتا ہے مگر بعد میں اس نظام اور کام کو تازہ کرنے کے لیے جو لوگ اٹھیں ضروری نہیں کہ ان سب کی ایک ہی جماعت ہو۔ ایسی جماعتیں بیک وقت بہت سی ہو سکتی ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ بس ہم ہی اسلامی جماعت ہیں اور ہمارا امیر ہی امیر المومنین ہے"

رودادِ جماعتِ اسلامی حصہ اوّل صفحہ ۱۴، ۱۵

۲۔ شعبان کو اپنے خطاب میں مولانا نے مزید فرمایا:

"جو لوگ ایک ہی عقیدہ، ایک ہی نصب العین اور ایک ہی مسلک رکھتے ہوں ان کے لئے ایک جماعت بن جانے کے سوا چارہ نہیں اور ان کا ایک جماعت بن جانا بالکل ایک فطری امر ہے۔ وحدتِ کلمہ کا لازمی نتیجہ وحدتِ اجتماع ہے۔" (روداد جماعت اسلامی حصہ اول ص ۲۱)

اسلام بلا جماعت کے بارے میں کسی نے مولانا مرحوم سے یہ استفسار کیا کہ جو شخص آپ کی جماعت کے اصولوں کے مطابق اپنی جگہ حتی المقدور صحیح اسلامی زندگی بسر کر رہا ہو، وہ اگر بعض اسباب کے ماتحت باقاعدہ جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

"اس کے متعلق میرا وہی خیال ہے کہ جو احادیث سے ثابت ہے کہ صحیح اسلامی زندگی جماعت کے بغیر نہیں ہوتی۔ زندگی کے صحیح اسلامی زندگی ہونے کے لئے سب سے مقدم چیز اسلام کے نصب العین (اقامتِ دینِ حق) سے وابستگی ہے۔ اس وابستگی کا تقاضا ہے کہ آدمی نصب العین کے لئے جدوجہد کرے اور جدوجہد اجتماعی طاقت کے بغیر نہیں ہو سکتی، لہٰذا جماعت کے بغیر کسی زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص ہماری اس جماعت میں شامل نہ ہو اور کسی اور ایسی جماعت سے اس کا تعلق ہو جو یہی نصب العین رکھتی ہو اور جس کا نظامِ جماعت اور طریقِ جدوجہد بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ اس صورتحال میں ہم اس کو برسرِ ہدایت ماننے میں کوئی تامل نہیں کرتے، لیکن یہ بات ہمارے لئے صحیح نہیں ہے کہ آدمی صرف ان طریقوں کی پابندی پر اکتفا کرتا رہے جو شخصی کردار کے لئے شریعت میں بتائے گئے ہیں اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے کسی جماعت سے وابستہ نہ ہو۔ ہم ایسی زندگی کو کم از کم نیم جاہلیت کی زندگی سمجھتے ہیں۔ ہمارے علم میں اسلامیات کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ اگر آدمی کو اپنے گردوپیش ایسی کوئی جماعت نظر نہ آتی ہو جو اسلام کے اجتماعی نصب العین کے لئے اسلامی طریقہ پر سعی کرنے والی ہو، تو اسے سچے دل سے ایسی جماعت کے وجود میں لانے کی سعی کرنی چاہیے اور اس کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ جب کبھی ایسی

جماعت پائی جائے وہ اپنی انانیت چھوڑ کر ٹھیک ٹھیک جماعتی ذہنیت کے ساتھ اس میں شامل ہو جائے۔" (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۴۰۸، ۴۰۹)

کسی صاحب نے ایک عالم دین کے حوالہ سے اقامتِ دین اور نظمِ جماعت کے بارے میں مولانا مودودیؒ سے استفسار کیا اور ایک دیگر بزرگ کا یہ بیان نقل کیا "کہ اسلامی دستور کی تشکیل کے بعد پاکستان ایک اسلامی ریاست بن چکا ہے اور یہاں تمام مسلمان شہری ایک نظامِ اطاعت میں منسلک ہو چکے ہیں اور یہ نظامِ اطاعت سب کو جامع اور سب پر فائق ہے۔ اب سب کی اطاعتیں اس بڑے نظامِ اطاعت کے گرد جمع ہو چکی ہیں، لہٰذا اس کی موجودگی میں کسی اور نظم کا قیام اور افراد سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حکومت کے اندر ایک متوازی حکومت قائم کرنا۔ خلاصہ یہ کہ اب کسی جماعت کسی تنظیم اور کسی امیر کی ضرورت نہیں ہے۔ پاکستان کی ایک اسلامی ریاست ہے حکومت اس کا تنظیمی مظہر ہے۔ تمام مسلمان شہری اب کسی جماعت کے نہیں، بلکہ اس ریاست کی ہمہ گیر تنظیم کے رکن ہیں اور اب ان کی تمام اطاعتیں اور وفاداریاں اسی تنظیم کا حق ہیں، نہ کہ کسی اور جماعت کا۔ اب اطاعت کسی اور کی نہیں، بلکہ ریاست کے صدر کی ہونی چاہیئے۔" یہ بیان نقل کرنے کے بعد سائل نے لکھا کہ وہ طرزِ استدلال ہے کہ اس کے نتیجہ میں شہریوں کا حق انجمن سازی (RIGHT TO FORM ASSOCIATION) ہی ختم ہو جاتا ہے اور نہ صرف ختم ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا ذکر کرنا بھی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے مترادف ہے چنانچہ سائل نے مولانا سے استفسار کیا کہ آپ کے پاس اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

"رہا نظمِ جماعت تو اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ احکامِ کفر کے مقابلہ میں احکامِ الٰہی کے اجراء کی کوشش بہرحال منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کے لئے جماعت کا وجود اور جو جماعت موجود ہو، اس کا التزام ضروری ہے۔ اس مضمون پر کثیر التعداد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ البتہ جہاں تمام اہلِ ایمان کی ایک

جماعت موجود نہ ہو اور اس مقصدِ عظیم کے لئے اجتماعی قوت پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہوں تو التزامِ جماعت کے ان احکام کا اطلاق تو نہ ہوگا جو الجماعت کی موجودگی میں شارع نے دیئے ہیں، لیکن کوئی ایسا شخص جو اقامتِ دین کے معاملے کی شرعی اہمیت سے واقف ہو اور اس معاملہ میں ایک مومن کے فرض کا احساس رکھتا ہو ان کوششوں کے ساتھ بے پروائی کا رویہ اختیار نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ ان کا جائزہ لے اور جس کوشش کے بھی صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو جائے اس میں خود بھی حصہ لے۔ پھر حصہ لینے کی صورت میں (یعنی جب کہ آدمی ایک جماعت کو برحق جان کر اس سے وابستہ ہو چکا ہو) نظم و اطاعت کا التزام نہ کرنا سراسر ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ یہ اطاعت محض نفل نہیں بلکہ فرض ہے کیونکہ اس کے بغیر فریضۂ اقامتِ دین عملاً ادا نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں اطاعتِ امر کے جو احکام آئے ہیں اور خود قرآن میں اطاعتِ اولوالامر کا جو فرمانِ خداوندی آیا ہے ان کے متعلق یہ سمجھنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ احکام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد کے لئے تھے۔ اگر یہ بات ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اب نہ کوئی اسلامی حکومت چل سکتی ہے اور نہ کبھی جہاد فی سبیل اللہ ہو سکتا ہے کیونکہ نظام کی پابندی اور سمع و طاعت کے بغیر ان چیزوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

"دوسرے جن صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی عقل نے وہ نکتہ پیدا کیا ہے جو ابھی تک موجودہ امراء المومنین کو بھی نہیں سوجھا ہے۔ اگر یہ بات انہیں سوجھ جائے تو ملک کی تمام جماعتوں کو بیک جنبشِ قلم ختم کر کے ہمیشہ کے لئے ہر اس شخص کا منہ بند کر دیں جو یہاں احکامِ اسلامی کے اجراء کا نام لے اور پھر یہاں صرف رقص و سرود اور فسق و فجور ہی ہوتا رہے۔ اس کے بعد تو یہاں اطمینان کے ساتھ انگریزی دور کے قوانین چلتے رہیں گے اور شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کرنے والے دنیا ہی میں نہیں آخرت میں بھی روسیاہ اور مستحقِ عذاب ٹھہریں گے کیونکہ شرعاً وہ نفاذِ شریعت کی سعی کرنے کے مجاز ہی نہ ہوں گے۔" (رسائل و مسائل حصہ چہارم۔ ص ۳۴۶ - ۳۴۷)

اسی سلسلے میں مولانا نے مزید فرمایا:

"اسلامی ریاست کی ایک حالت وہ ہوتی ہے جس میں ریاست صرف نظریے کے اعتبار سے ہی اسلامی نہ ہو، بلکہ عملاً حکومت بھی اسلامی ہو، صالح اور متقی اہلِ ایمان اس کو چلا رہے ہوں، شوریٰ کا نظام اپنی حقیقی اسلامی روح کے ساتھ قائم ہو اور پورا انتظامِ حکومت ان عقائد کے لئے کام کر رہا ہو جن کی خاطر اسلام اپنی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں ریاست کا صدر ہی تمام اہلِ ایمان کا لیڈر ہوگا اور اس کی قیادت میں تمام اہلِ ایمان ایک جماعت ہوں گے۔ اس وقت جماعت کے اندر جماعت بنانے کی ہر کوشش غلط ہوگی اور ایک امام کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت یا بیعت کا کوئی جواز نہ ہوگا۔

دوسری حالت وہ ہے جس میں ریاست صرف نظریے کے اعتبار سے اسلامی ہو، باقی خصوصیات اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ اس حالت کے مختلف مدارج ہیں اور ہر درجے کے احکام الگ ہیں۔ بہرحال ایسی حالت میں اصلاح کے لئے منظم اجتماعی کوشش کرنا ناجائز تو کسی طرح نہیں ہے اور بعض صورتوں میں ایسا کرنا فرض بھی ہو جاتا ہے۔ اسے ناجائز قرار دینے کا خیال اسلامی ریاست کے فاسق حکمران کریں تو کریں، لیکن یہ عجیب بات ہوگی کہ اس کے صالح شہری بھی اسے ناجائز مان لیں۔ درآنحالاکہ اس کے عدم جواز کی کوئی شرعی دلیل سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر یہ چیز ناجائز ہو تو آخر ان ائمہ مجتہدین کا کیا مقام قرار پائے گا جنہوں نے بنوامیہ کے خلاف اٹھنے والوں کی خفیہ اور علانیہ تائید کی؟"

(رسائل و مسائل جلد چہارم، صفحہ ۳۴۸-۳۴۹)

آزادیٔ اظہار رائے کے بارے میں مولانا نے فرمایا:

"ایک اور اہم چیز جسے آج کے زمانہ میں آزادیٔ اظہار رائے FREEDOM OF EXPRESSION کہا جاتا ہے۔ قرآن اسے دوسری زبان میں بیان کرتا ہے، مگر

دیکھیے مقابلتہً قرآن کا کتنا بلند تصور ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ صرف انسان کا حق ہے، بلکہ یہ اس کا فرض ہے کہ قرآن کی رو سے بھی اور حدیث کی ہدایات کے مطابق بھی۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ بھلائی کے لئے لوگوں سے کہے اور برائی سے روکے۔ اگر کوئی برائی ہو رہی ہو تو صرف یہی نہیں کہ بس اس کے خلاف آواز اٹھائے، بلکہ اس کے انسداد کی کوشش بھی فرض ہے۔ اور اگر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی جاتی تو الٹا گناہ ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھے۔ اگر اس معاملے میں مسلمان کی آواز بند کی جائے تو اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی نے بھلائی کے فروغ کو روکا تو اس نے نہ صرف ایک بنیادی حق سلب کیا، بلکہ ایک فرض کی ادائیگی سے روکا۔ معاشرے کی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو ہر حالت میں یہ حق حاصل رہے۔ قرآن نے بنی اسرائیل کے تنزل کے اسباب بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ بیان کیا ہے کہ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ [1] (وہ برائیوں سے ایک دوسرے کو باز نہ رکھتے تھے) یعنی کسی قوم میں اگر یہ حالات پیدا ہو جائیں کہ برائی کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہ ہو تو آخر کار رفتہ رفتہ برائی پوری قوم میں پھیل جاتی ہے اور وہ پھلوں کے سڑے ہوئے ٹوکرے کے مانند ہوتی ہے جس کو اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اس قوم کے عذاب الٰہی کے مستحق ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔"

(اسلامی ریاست: صفحہ ۵۶۶ - ۵۶۷)

نیز آزادیٔ اجتماع کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

"آزادیٔ اظہار کے عین منطقی نتیجے کے طور پر آزادیٔ اجتماع کا حق نمودار ہوتا ہے۔ جب اختلافِ آراء کو انسانی زندگی کی ایک حقیقت کے طور پر قرآن نے بار بار پیش کیا ہے تو پھر اس امر کی روک تھام کہاں ممکن ہے کہ ایک طرح کی رائے رکھنے والے

---

[1] المائدہ ۷۹

لوگ آپس میں مربوط ہوں۔ ایک اصول اور نظریے پر مجتمع ہونے والی ملت کے اندر بھی مختلف مدارسِ فکر ہو سکتے ہیں اور ان کے متوسلین بہرحال باہم دگر قریب تر ہوں گے۔

قرآن کہتا ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۰۴)

"اور تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے۔ اور منکر سے روکے"

عملی زندگی میں جب "خیر" "معروف" اور "منکر" کے تفصیلی تصورات میں فرق واقع ہوتا ہے تو ملت کی اصولی وحدت کے قائم رہتے ہوئے بھی اس کے اندر مختلف مدارسِ فکر تشکیل پاتے ہیں اور یہ بات معیار مطلوب سے کتنی بھی فروتر ہو، گروہوں اور پارٹیوں کا ظہور ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں کلام میں بھی، فقہ و قانون میں بھی اور سیاسی نظریات میں بھی اختلاف آراء ہوا اور اس کے ساتھ مختلف گروہ وجود میں آئے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی دستور اور منشور حقوق کے لحاظ سے یہ مختلف اختلافی آراء رکھنے والوں کے لئے آزادیٔ اجتماع کا حق ہے؟ یہ سوال سب سے پہلے حضرت علیؓ کے سامنے خوارج کے ظہور پر پیش آیا اور آنجنابؓ نے ان کے لئے آزادیٔ اجتماع کے حق کو تسلیم کیا، انہوں نے خارجیوں سے فرمایا "جب تک تم تلوار اٹھا کر زبردستی اپنا نظریہ دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کرو گے تمہیں پوری آزادی حاصل رہے گی۔"

(اسلامی ریاست: صفحہ ۵۶۸ - ۵۶۹)

نوٹ: اس مسئلے پر مزید مفصل بحث کے لئے مولانا کا رسالہ "شہادتِ حق" بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔